تحفۃ الاحباب

ایک جائزہ

جناب غلام حسن حسنو بلتستانی کے ساتھ متواتر گیارہ سالہ خط و کتابت باہمی روابط نیز وسط ایشیائی مطالعاتی مرکز کے سابق ڈائریکٹر پروفیسر عبدالمجید متو صاحب کی ذاتی دلچسپی کے باعث مجھے اپنے حالیہ دورۂ بلتستان (پاکستان) کے دوران فارسی زبان کا ایک قلمی نسخہ بنام تحفۃ الاحباب کی فوٹو کاپی دستیاب ہوئی۔

جناب غلام حسن مذکور کا نسخۂ ھذا برات لائبریری برق چھن خپلو (بلتستان) کی زینت ہے۔ مخطوط ھذا ایک جامع اور مکمل کتاب کی صورت میں ہے اور یہ متوسط قلمی نسخہ ۵۲۴ صفحات پر مشتمل ہے ہر صفحہ ۱۷ سطروں اور ہر سطر اوسطاً ۱۵ الفاظ پر محیط ہے۔ پوری کتاب نہایت صاف، خوشخط اور خط نستعلیق میں کتابت ہوئی ہے۔ اس ضخیم قلمی نسخہ کی کتابت کی تاریخ ترقیمہ میں اس طرح دی گئی ہے: "تمت ھذہ الکتاب بتاریخ ثلث و سر (کذا) شہر جمادی الثانی سنہ الف و خمسین من ھجرۃ پیغمبر علیہ السلام ہے۔ یعنی کتاب کی کتابت ۱۳۔ ماہ جمادی الثانی

ڈاکٹر غلام رسول جان

۱۰۵۰ھ ہجری میں ہوئی ہے[1]

مخطوط ھذا میں کاتب نے اپنا نام کہیں بھی ظاہر نہیں کیا ہے۔ البتہ جناب غلام حسن مملوکہ نسخہ ھذا کے ایک اندازے کے مطابق اس کا کاتب مشہور کشمیری خطاط محمد علی کشمیری ہی ہے[2]۔

نسخہ ہذا بعض اسقام کا حامل ہے، چند ابتدائی صفحات کی شیرازہ بندی درست نہیں ہے۔ دو ایک صفحات ادھورے اور شکست و ریخت کے شکار ہیں۔ بیچ میں ایک صفحہ نمبر ۳۰۲ بھی غائب ہے۔ تحفۃ الاحباب کے اس قلمی نسخہ کو محمد رضا آخون زادہ ساکنہ چنلو نے اردو ترجمہ کا لباس پہنایا ہے یہ غیر تسلی بخش اور مغلوط اردو ترجمہ جنوری ۱۹۹۷ء میں لاہور سے شایع کیا گیا ہے۔

قاید اعظم یونیورسٹی اسلام آباد (پاکستان کے ٹیکسلا انسٹی چیوٹ آف ایشین سیولیزیشن اسٹڈیز کے کتب خانہ میں تحفۃ الاحباب کی ایک نقل شدہ کاپی موجود ہے جو اسنور (گلگت) کے عبدالحمید خان خاور کے مملوکہ نسخہ کی ضروری یاد داشتوں پر مشتمل نقول کی حامل ہے۔ نسخہ ہذا ناقص الطرفین ہے۔ دو حصوں پر مشتمل اس قلمی بیاض کی کتابت ۱۳۸۶ ہجری میں ہوئی ہے۔ مشہور مورخ دانی صاحب نے اپنی یہ ملکیتی کاپی مذکورہ انسٹی چیوٹ کو بطور اھدا کے عنایت کی ہے۔

---

[1] تحفۃ الاحباب قلمی ــــ ص ۵۲۶

[2] دانش، فصلنامہ رایزن فرہنگی جمہوری اسلامی ایران اسلام آباد (پاکستان) شمبر ۹

[3] ملاحظہ ہو ص ۵ سے لیکر ص ۸ تک

[4] ص ۸ اور ص ۹

تحفۃ الاحباب کا ایک اور قلمی نسخہ جناب سید علی رضوی مرحوم ساکنہ ہمنہ بڈگام (کشمیر) کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کی نقل محکمہ تحقیق و اشاعت کے شعبہ مخطوطات (عربی و فارسی) میں زیر اندراج نمبر ۱۵۵ محفوظ ہے نسخہ ھذا نامکمل ہے جو فقط باب اول اور باب چہارم پر مشتمل ہے۔ بیچ کے دو ابواب یعنی باب دوم اور باب سوم سرے سے ہی مفقود ہیں۔ اس نامکمل قلمی نسخہ میں سنہ کتابت اور نہ ہی کاتب کا نام کہیں بھی آیا ہے۔ البتہ اس ناقص مخطوط کا اردو ترجمہ جناب سید جلال الدین قاری مرحوم نے رد المرتاب کے نام سے کیا ہے اس ناموزون اور نامناسب اردو ترجمہ کو بڈگام کشمیر سے شایع ہونے والے ایک ماہوار جریدہ بنام "الارشاد" میں سلسلہ وار اشاعت کے طور پر منظر عام پر لایا گیا ہے۔ ماہ ربیع الاول ۱۳۸۲ ہجری سے لیکر صفر ۱۳۸۳ ھجری کے دوران شایع ہونے والی دس قسطیں راقم کی نظروں سے گذری ہیں۔

محولہ بالا مندرجات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اول الذکر مخطوطہ ہی ہماری گفتگو کا اصل محور ہوگا۔ کیونکہ ایک اندازے کے مطابق یہی وہ قلمی نسخہ ہے جو شاید برصغیر کی حد تک واحد اور منفرد مخطوطہ ہے ۔[1]

بہر حال زیر بحث کتاب تحفۃ الاحباب کے مصنف کے بارے میں ہم ابھی حال ہی تک نابلد تھے لیکن اس کتاب کی دریافت نے اس گتھی کو بھی سلجھایا ہے۔ مصنف نے کتاب میں اپنے نام کا اظہار یوں کیا ہے "و چوں ایں فقیر علیل خاکراہ و حقیر ذلیل پر گناہ محمد علی بن مولانا خلیل اللہ"[2]

---

[1] دانش، فصلنامہ رایزنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران، اسلام آباد (پاکستان) ستمبر ۱۹۹۰ء

[2] تحفۃ احباب۔ مخطوطہ۔

زیر بحث کتاب کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مصنف محمد علی بہت بڑے عالم دین اور روحانی پیشوا تھے۔ عربی اور فارسی کے زبردست انشا پرداز بھی۔ اُن کی علمی بصیرت، ادبی ذوق اور وسعت مطالعہ پر تو کتاب تحفۃ الاحباب دال ہے۔ مصنف کے حالات زندگی گوشۂ اخفا میں ہی رہے ہیں اور تذکرہ نگاروں نے اس ضمن میں کوئی خامہ سرائی بھی نہیں کی ہے زیر نظر کتاب میں مصنف نے اپنی ذاتی روئیداد اور نجی معاملات سے متعلق بعض موشگافیاں کی ہیں جن سے ان کے حالات زندگی کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ وہ ایک علمی و ادبی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد مولانا خلیل اللہ ایک بلند پایہ عالم، صوفی بزرگ اور روحانی پیشوا تھے۔ میر شمس الدین محمد عراقی کے خاص مصاحب اور اُن کے ہمدم اور ہم قدم بھی۔ وہ صاحب اولاد تھے اور خانقاہ جڈی بل کے نزدیک اُن کا مسکن تھا۔ مولانا خلیل اللہ مرزا حیدر دوغلت (م۔ ۹۵۸ھ) کے دور حکومت (۹۴۷۔ ۹۵۸ھ) میں زندہ تھے۔ خود مصنف حسین شاہ چک کے عہد سلطنت (۱۵۶۳۔ ۷۰ء) اور سال ۹۹۰ ہجری میں زندہ ہونے کی داخلی شہادت تحفۃ الاحباب میں موجود ہے

زیر بحث کتاب تحفۃ الاحباب کا آغاز مصنف نے ایک عربی اقتباس جس میں حمد خدا، نعت نبیؐ اور منقبت آل رسولؐ کا بیان ہے، یوں کیا ہے، "الحمد للہ (الذی) نور حدایق قلوب المجین بضیأ شمس الھدایۃ

والعرفان و روح ریاض ارواح المخلفین بروایح شمائم الایمان

والایقان وعطر بساتین سرائر المشتاقین بفوایح نسایم

الصدق والاحسان و (زین) صدور المریدین بہ تفایح ازہار الارادۃ

واخلاص الجنان............"[1]

---

[1] تحفۃ الاحباب، مخطوط ص ۱

تحفۃ الاحباب نام کی توجیہہ مصنف نے اس مقصد کے پیش نظر یوں لکھ دی ہے کہ "چوں سبب تحریر این رسالہ و باعث تسطیر این مقالہ التماس احباب و احباب و انفاس ارباب بودہ بدان سبب مناسبت این رسالہ موسوم گشت بہ تحفۃ الاحباب"

یعنی اس کتاب کو بعض دوست' احباب و اصحاب کی فرمائش اور التماس کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھا گیا اسی مناسبت سے اس کا نام تحفۃ الاحباب پڑ گیا۔"

زیر نظر کتاب تحفۃ الاحباب کس سنہ میں تصنیف ہوئی ہے اس کی وضاحت کہیں نہیں ہوئی ہے۔ البتہ کتاب کا مطالعہ کرنے سے اس بات کا عندیہ ملتا ہے کہ تحفۃ الاحباب حسین شاہ چک کے دور سلطنت (۱۵۶۳ – ۷۰ء) کے درمیانی سالوں میں زیر تصنیف تھی۔

مصنف محمد علی کشمیری نے اپنی کتاب تحفۃ الاحباب کے ابواب کی تقسیم بندی خود ہی کی ہے۔ کتاب ایک مقدمہ' چار ابواب اور ان ابواب میں مذکور چھ فصو پر محیط ہے۔ آخری دو ابواب تین تین فصلوں جب کہ پہلے دو بابوں کو فصل کے بغیر وصل کی حد تک ملایا گیا۔ کتاب کے مقدمہ میں مصنف نے سبب تصنیف وغیرہ کو بیان کیا ہے۔ باب اول میر شمس الدین محمد عراقی کی ولادت' خاندان وغیرہ' جب کہ باب دوم ان کی کشمیر میں آمد اور دیگر سرگرمیوں سے متعلق تفصیلی بیان پر مرکوز ہے۔ باب سیوم حضرت میر عراقی کی کشمیر سے ایران واپسی اور وہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد دوبارہ کشمیر میں آمد کی حال پر منتج ہوا ہے۔ باب چہارم اول الذکر تین ابواب سے قدرے مفصل ہے اور اس میں مصنف نے حضرت میر عراقی کی دوبارہ کشمیر میں آمد' تبلیغ' سلوک در یاضت' تبت روانگی' بت شکنیاں اور دیگر سرگرمیوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ کتاب کے آخر پہ ایک خاتمہ کا تذکرہ بھی زیر بحث کتاب میں آیا ہے لیکن نسخہ ھذا بھی اس سے عاری ہے اور تحفۃ الاحباب ڈرامائی

Scanned with CamScanner

اندازمیں کاتب کے ترتیمہ کے ساتھ اپنے منطقی انجام کو پہنچتا ہے۔

محمد علی کشمیری صاحب کتاب تحفۃ الاحباب کا لقب "ملا" اس بات کا غماز ہے کہ تمام مروجہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے کی بنا پر وہ اس لقب سے متصف ہوئے۔ زیر نظر کتاب اس بات کی آیینہ دار ہے کہ محمد علی عالم اجل وفاضل دوران تھے۔ انہیں قرآن فہمی کا ملکہ حاصل تھا۔ احادیث اور روایات پر پورا عبور رکھتے تھے۔ صوفیانہ مسایل کی باریکی اور تصوف کی شاہکار کتابوں کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے وہ مفسر بھی تھے اور محدث بھی۔ فلسفہ وحکمت پر غائرانہ نظر رکھتے تھے شاعرانہ ذوق کے حامل ملا محمد علی کشمیری خود شعر وشاعری کرتے تھے۔ بہرحال جمیع صفات کے مالک محمد علی کشمیری کی شخصیت نے اپنی صلاحیتوں اور استعدادات کا بھرپور مظاہرہ تحفۃ الاحباب میں کیا ہے۔

اپنی باطنی تکفات کو بروئے کار لانے میں ملا محمد علی کشمیری نے تحفۃ الاحباب کی تصنیف میں جن خارجی شواہد سے اپنے سرمایۂ علم وفکر کو نکھارا ہے اور دل وجان سے بافتہ حلہ کا تار وپود بُنا ہے اس کی آرائش و پیرایش مختلف رنگوں سے کی ہے جن کی تعداد لگ بھگ چالیس کے قریب ہے۔ مصنف نے بعض روایات واقعات اور دیگر اقوال کو بلاواسطہ اپنے والد بزرگوار اُن کے احباب اور بلواسطہ طور اپنے دیگر اصدقا کے حوالہ سے لکھا ہے ان میں میر حسین فہم، حافظ بصیر خندہ بھوتی، قاضی محمد قدسی اور خواجہ اسمٰعیل قاری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازین جن دیگر مصنفین کی شاہکار کتابیں، شعرا وادبا اور صوفی بزرگوں کے اقوال وافکار کو بیان کیا ہے اُن میں سید محمد نوربخش کے منظوم ومنثور آثار سرفہرست ہیں ان میں صحیفہ اولیا (منظوم)، فقہ احوط (عربی)۔ واردات غیبی (منظوم) سلسلۃ الذہب، رسالہ عقاید اور دیوان اشعار وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مزید برآن رسالہ اقبالیہ از شیخ علاالدولہ سمنانی

دُرِ بحر المناقب فی فضائل علی ابن ابی طالب۔ از مولانا برہان الدین بغدادی دیوان اسیری لاہیجی، شرح گلشن راز، شرح دیوان از قاضی حسین یزدی، اسرار الشہود از شیخ محمد لاہیجی، مشارب الاذواق از میر سید علی ہمدانی، نصوص الحکم از ابن العربی، مرثیہ از شیخ محمد علی، رسالہ معراجیہ، ترجمہ فقہ احوط از میر حسین لوکھی، دیوان اشعار حافظ، مثنوی مولانا روم، عوارف المعارف، از شیخ شہاب الدین سہروردی، منطق الطیر و تذکرۃ الاولیا از شیخ عطار، خلاصۃ المناقب از نور الدین جعفر بدخشی، تفسیر کشاف، مثنویات قاضی محمد قدسی، تعریف نامۂ درویشان از حضرت میر دانیال اور اخوان الصفا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

سلسلۂ طریقت نوربخشیہ دنیائے تصوف اور دینی تحریک میں ایک اور اضافے کا نام ہے جس کی بنیاد نویں صدی ہجری میں سید محمد نوربخش قہستانی کے ہاتھوں پڑی۔ سید محمد موصوف قاین (ایران) کے رہنے والے تھے اور خواجہ اسحٰق ختلانی کے باصفا مریدوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ نوربخش کا لقب انہیں اپنے مرشد کا عطا کردہ ہے انہوں نے سولغان کے مقام پر ۸۶۹ میں وفات پائی اور وہیں ان کا مدفن بھی ہے۔ زیر بحث کتاب تحفۃ الاحباب سید محمد نوربخش قہستانی کی زندگی، اہل وعیال ان کے ہاتھوں نوربخشی سلسلہ کے اصول وقواعد کا استحکام، سلوک وریاضت، آداب طریقت مریدوں کی تربیت، ان کے سربرآوردہ خلفا ومریدین کے ذریعہ سلسلۂ طریقت نوربخشیہ کا دوسرے ملکوں میں بسط وپھیلاؤ اور وہاں خانقاہوں اور مساجد وغیرہ کی تعمیر اور دیگر تبلیغی امور کے تفصیلی ذکر پر محیط ہے سید محمد نوربخش کے جن بلاواسطہ اور بلواسطہ خلفا ومصاحبین کی سوانح عمری اور تبلیغی سرگرمیوں کا تذکرہ تحفۃ الاحباب میں آیا ہے ان میں سمرقند کے شیخ الاسلام شیخ محمد سمرقندی متخلص بہ فراقی، قاضی سمرقند مولانا محمد، شیخ محمود بحری، پیر حاجی بحر آبادی، مولانا حسین کوکھی، شیخ محمود زرفلی،

Scanned with CamScanner

مولانا برہان الدین بغدادی، شیخ محمد لاھیجی، قاضی حسین یزدی، علامہ جلال الدین دوانی، مشہور شعرا شیخ محمد غیبی، شمس الدین ایری لاھیجی، شیخ بہاالدین کشمیری شیخ سلطان کشمیری، پیر ھمدان، شیخ محمد الوندی، درویش ابراھیم شاہ قاسم فیض بخش وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

زیر نظر کتاب تحفۃ الاحباب کی افادیت واہمیت اس بات میں مضمر ہے کہ اس میں سلسلۂ طریقت نوربخشیہ کے اصول و قواعد و دیگر ضوابط سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلہ کے صوفیانہ مسایل، اصطلاحات اور فقہی امور کو زیر بحث لانے میں یہ کتاب مستند مآخذ ہے۔ اس میں نوربخشیوں کی تعلیمات، آداب طریقت، چلہ کشی اور اربعین کے ضوابط، سلسلۃ الذہب، اوراد و وظائف، مراقبہ کی کیفیت وغیرہ کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے غرض کہ یہ شریعت، طریقت اور حقیقت کی حقیقی تفسیر اور بھر پور ترجمان بھی ہے۔ تحفۃ الاحباب گویا نوربخشیوں کی ایک مکمل فرھنگ اور جامع انسائیکلوپیڈیا ہے۔ نوربخشیہ سلسلہ کے فہم و ادراک میں تحفۃ الاحباب ایک حوالے کی کتاب اور معلوماتی دستاویز بھی ہے۔

موضوع بحث کتاب تحفۃ الاحباب میں ابواب کی تقسیم بندی کے عناوین کا انتخاب اس بات کا مظہر ہے کہ تحفۃ الاحباب ایک ایرانی الاصل شخصیت شاہ سید محمد نوربخش کے بلاواسط خلیفہ حضرت میر شمس الدین محمد عراقی کی حیات، اہل و عیال، ان کی تعلیمات، تبلیغی سرگرمیوں، مشن، سلوک و ریاضت اور دیگر کارناموں سے متعلق ایک نا ختم ہونے والا سلسلۂ کلام ہے یہ اس موضوع پر اپنی نوعیت کی واحد اور منفرد کتاب ہے واضح رہے کہ حضرت امیر شمس الدین، حضرت سید محمد نوربخش کے خلیفہ مجاز اور بیٹے شاہ قاسم نوربخش کے ایک برگزیدہ خلیفہ تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اُن کی صحبت و معیت میں گذارا۔ دو بار وارد کشمیر ہوتے۔ نہ صرف

کشمیر بلکہ تبت میں بھی تبلیغی فرائض سے عہدہ برآ ہوئے۔ آخری عمر تک کشمیر میں مقیم رہے یہیں پر وفات پائی۔ جڈی بل سری نگر میں اپنی بنا کردہ خانقاہ کے ایک حصہ میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب شاہ قاسم نوربخش اور حضرت امیر شمس الدین محمد عراقی کے درمیان باہمی روابط' دونوں کے اسفار' مریدین کی تربیت' اُن کا مشن اور تبلیغی سرگرمیاں فرمانروایان عہد سے دونوں کے تعلقات' علمای عصر اور افاضل وقت سے معاشرت' امور سفارت اور دیگر فرائض منصبی سے عہدہ برآ ہونے' خانقاہوں اور مساجد کی تعمیر اور اُن کا انتظام چلانے کی واضح دلیل ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ زیر بحث کتاب تحفۃ الاحباب ایک اہم تذکرہ ہے اور بحیثیت تذکرہ کے اس کی افادیت واضح ہو جاتی ہے لیکن تذکرہ نویسی کے ضمن میں جابجا سیاسی اور تاریخی واقعات کو بھی اس میں عمل دخل حاصل ہے لہٰذا اس کی اہمیت اس بات سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ اپنے اندر تاریخی پہلو بھی لیے ہوئے ہے کشمیر' ایران' خراسان' ماوراالنہر' افغانستان اور تبت کے خطوں سے تعلق رکھنے والے بادشاہوں' امرا و وزرا کی طرز حکومت اور ان کی پالیسیاں مشائخ و فقرا' علما و فضلا اور شعرا و ادبا کے تئیں حکمران طبقہ کا رویہ' خود صوفیوں اور روحانی بزرگوں کے آپسی مراسم و تعلقات کے سمجھنے میں زیر بحث کتاب بہت ہی ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

تحفۃ الاحباب نویں' دسویں صدی ہجری کی کشمیر' ایران' وسط ایشیا اور افغانستان سے متعلق معاشرتی' تہذیبی' ثقافتی' لسانی' جغرافیائی' سیاسی اور مذہبی تاریخ کے ضمن میں ایک اہم کڑی کے طور پر ابھر کر سامنے آئی ہے۔ یہ کتاب جہاں ہمیں اسلامی دنیا کے بارے میں مفید معلومات فراہم کرتی ہے وہیں کشمیر کے ہندوؤں

کے رسوم ورواج، مذہبی عقاید و آرا اور ان کی ثقافت کا بھی بیان آیا ہے۔ تحفتہ الاحباب کشمیر، ایران اور وسط ایشیا کے تہذیب و تمدن کی آئینہ دار ہے۔ اس میں لوگوں کے رسوم، عادات و اطوار، عقاید، شگون، خبابیث، لباس، اوزان ناپ و تول، آلات ساز، لوک گیت، صنعت و حرفت اور دستکاریاں، ظروف خورد و نوش، زر و زیور، اشیائی نفائس، نظام نقل و حمل اور آئین شادی و بیاہ وغیرہ کا بیان بھی ملتا ہے۔ تحفتہ الاحباب کتاب میں جن دیگر امور کی واضح نشاندھی کی گئی ہے ان میں دیگر مذہبی فرقوں، اوراد و اذکار، نیز ادعیہ، روحانی سلسلوں، قوم و قبایل، خاندانوں، ادویات، جڑی بوٹیوں، جانوران، چرند و پرند اقسام پھل و پھول وغیرہ کا تذکرہ موجود ہے۔

زیر بحث کتاب کا مطالعہ کرنے سے حضرت امیر شمس الدین محمد عراقی بت شکن کی بت شکنیاں واضح و لایح ہیں۔ منہدم شدہ ڈھانچوں کی پائمالی اور ذاتی اغراض کی حوصلہ شکنی کیلئے انہیں خانقاہوں، مساجد اور مزارات میں تبدیل کر کے ان کی حرمت کو پائمال نہ ہونے دیا گیا اس سلسلہ میں تحفتہ الاحباب کے باب چہارم کے تیسرے فصل کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور اس سے یہ بات بخوبی اخذ کی جا سکتی ہے کہ اس وقت کشمیر میں بت خانوں کی کل تعداد کیا تھی۔ نیز ان کا محل وقوع اور طرز تعمیر کیا تھا۔ ڈھائے گئے ڈھانچوں کی جگہ تعمیر ہونے والی خانقاہوں، مساجد اور مزارات کے نام، ان کا محل وقوع، حدود اربعہ اور موقوفہ اراضی کی پوری تفصیل بھی زیر بحث کتاب میں آئی ہے جو حضرت امیر شمس الدین محمد عراقی کے بلواسطہ اور بلاواسطہ مرشدین کے ہاتھوں روبہ عمل لائے گئے ہیں۔

کشمیر، خراسان، ماوراالنہر، افغانستان اور تبت وغیرہ کے مختلف علاقوں، دیہات، شہر و قصبہ جات، راہیں، دریا، پہاڑ، ندی نالوں وغیرہ کے نام اور ان

کے محل وقوع کے اظہار سے تحفۃ الاحباب کی جغرافیائی اور ماحولیاتی حیثیت بھی اپنی جگہ واضح ہو جاتی ہے۔

زیر نظر کتاب تحفۃ الاحباب نہایت سلیس، سادہ اور رواں فارسی نثر میں لکھی گئی ہے۔ سولہویں صدی عیسوی میں جہاں فارسی ادب کی دنیا میں سبک ہندی کی کونپلیں پھوٹنے لگی تھیں اور کشمیر کی فضا بھی اس سے معطر ہونے لگی تھی لیکن اس دور میں جو فارسی ادب یہاں ظہور پذیر ہوا وہ اپنی ابتدائی جولانگاہوں پر ہی اپنی نظریں جمائے ہوئے تھا اور ان ہی جولانگاہوں کے — جو تخلیقی ادب یہاں پروان چڑھا اس میں تحفۃ الاحباب جیسی سنجیدہ کاوش کو بجا طور پر پیش کیا جا سکتا ہے ملحوظ نظر کتاب میں جہاں مصنف نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ وہیں دوسروں کے اشعار کی مستعارگی نے اُس کے ہاتھوں پر حنای بستہ کو کم رنگ نہ ہونے دیا۔ بلکہ اس کی رنگت میں مزید نکھار آیا۔ مصنف نے اپنی عربی دانی کا مظاہرہ، زیر نظر کتاب میں کیا ہے اور قرآنی آیات، احادیث، روایات ضرب الامثال وغیرہ کو بطور استشہاد پیش کیا ہے۔ ایک غیر ایرانی فارسی زبان کے عالم نے جس طریقے سے فارسی زبان کے الفاظ، اصطلاحات، ترکیبات، مترادفات وغیرہ کو برتا ہے اُس سے اس کی زبان دانی کی داد دینی پڑے گی ایسا لگتا ہے کہ مصنف کے پاس ایسا سرمایہ الفاظ جمع ہے جسے وہ بے دریغ برتتا جاتا ہے۔ الفاظ پر مصنف کی چیرہ دستی واضح ہے۔ بعض اوقات ایسے الفاظ کو برتا ہے جس سے کشمیری رنگ آمیزی جھلکتی ہے۔ مصنف بے لاگ تبصرہ کرنے میں ماہر دکھائی دیتے ہیں لیکن اس کی غیر جانبدارانہ حیثیت اس وقت مشکوک ہو جاتی ہے جب وہ شعوری طور کسی ناپسندیدہ فرد کو ذلت اور حقارت آمیز الفاظ سے یاد کر کے اُسے ہدف تنقید بناتا ہے۔

بہر کیف تقاضائے وقت اور کتاب کی اہمیت کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے اس نادر الوجود قلمی نسخہ اور تاریخی دستاویز کے متن کی تصحیح اور اس کی تدوین کے کام کو پہلے ہی دردست لیا گیا ہے۔ نیز اسے تحقیقی و تنقیدی زاویوں سے پرکھ کر اسے بہت جلد شایع کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے●

Scanned with CamScanner